شفیعِ کامل

مَیں کیوں المسیح کا پیروکار ہو گیا

مولوی عماد الدین

چشمہ میڈیا

بار _______________ اول

۲۰۱۷ء

shafee-e-kaamil. maiṅ kyooṅ al-maseeh
kaa pairokaar ho gaya.
by Imad ud-Deen

Bible quotations are from UGV.
Editing, design and layout (2017) by
Chashma Media,
www.chashmamedia.org

پیش لفظ

مولوی عماد الدین لاہز پہلی جنگِ آزادی کے بعد حضرت عیسیٰ کے پیروکار ہو گئے۔ اپنے عزیزوں کو سمجھانے کے لئے اُنہوں نے ایک کتابچہ بنام واقعاتِ عمادیہ لکھا۔[a]

کئی جگہوں پر جملوں کو آسان کر کے غیر ضروری باتیں کاٹ دی گئی ہیں۔

ناشرین

[a] واقعاتِ عمادیہ پہلی بار 1866ء میں چھپ گیا۔ درجِ ذیل ایڈشن 1951ء لاہور میں چھپ گیا۔

کتابچے کا مقصد

بندہ راقم 29 اپریل 1866ء میں محض حصولِ نجات کے لئے حضرت عیسیٰ کا پیروکار ہوگیا ہے۔ مگر بہت لوگ مثلاً میرے بزرگ، دوست، آشنا وغیرہ میری نسبت طرح طرح کے خیالات کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عماد الدین محض اسم فرضی ہے۔ پیشاور میں بعض کو یہی گمان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ لالچ کے باعث عیسائی ہوگیا ہے۔ بعض سخت معتقد یقین ہی نہیں کرتے کہ مَیں عیسائی ہوں۔ قرولی وغیرہ میں یہی خیال ہے۔ اِس لئے مَیں نے لازم جانا کہ اپنا سب احوال اِس طرح بیان کروں کہ سب واقف کار معلوم کرلیں کہ یہ وہی شخص ہے۔

آبا و اجداد ہانسی میں

پس واضح ہو کہ اپنے حسب نسب کی بابت مجھے اِس قدر معلوم ہے کہ ہمارے بزرگ ہانسی شہر کے باشندے تھے۔ اُن

کی تفصیل یوں ہے کہ شہر ہانسی میں جو بارہ قُطب ہیں اُن میں سے ایک کا نام شیخ جمال الدین ہے۔ اُن کے بیٹے شیخ جلال الدین تھے، اُن ہی کے بیٹے شیخ فتح محمد تھے۔ اُن کے بیٹے مولوی محمد سردار ہوئے، اُن کے بیٹے مولوی محمد فاضل تھے، اُن کے بیٹے مولوی محمد سراج الدین ہوئے۔ اُن کا بیٹا مَیں اور میرے بھائی بہن ہیں۔ بزرگوں سے سنتا ہوں کہ شاہ جہاں کے عہد میں میرے بزرگوں کو قدرے عروج تھا۔ مرہٹوں کے زمانے میں بھی سب جائیداد کو چھیڑا نہ گیا۔ لیکن دادا کے زمانے میں جب سرکاری نظام تبدیل ہوا تو میرے دادا ہی کی غفلت سے وہ سب جائیداد انگریزوں کی حکومت سے ضبط ہوگئی۔ تب سے ہم روزی کمانے کے لئے تعلیم دینے کے شعبے میں آ گئے۔

دادا پانی پت میں منتقل

لوگ زیادہ یہ جانتے ہیں کہ ہم پانی پت کے رہنے والے ہیں۔ اِس کی یہ وجہ ہے کہ میرے دادا مولوی محمد فاضل جائیداد کے ختم ہونے پر ہانسی سے اُٹھ کر شہر پانی پت میں آ بسے تھے۔ یہ پانی پت شریف زادوں کی بستی ہے۔ بڑے متعصّب مسلمان قدیم سے یہاں رہتے ہیں۔ کسی زمانے میں اسلام کے بڑے بڑے فاضل اور مشائخ اِس شہر میں رہتے تھے۔ عربی فارسی کتابوں کے بڑے بڑے کتب خانے اُن کے پاس موجود تھے۔ میرے دادا اِس لئے یہاں آئے کہ غلام محمد خان افغان اِس شہر کے بڑے رئیس تھے۔ غلام محمد امیر کبیر آدمی تھے، اور بادشاہوں کے زمانے سے اُن کے خاندان کا حکومت میں بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اُنھوں نے میرے دادا کو اپنی رفاقت میں رکھ لیا تھا۔ وہ اُن کی فضیلت کے باعث

اُن کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ ہاں، ہر طرح کی معاونت کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے دادا نے اپنی زندگی اِسی شہر میں غلام محمد خان کے ساتھ اچھی عزت حرمت سے اسلام کی پیروی میں بسر کی۔

والد اور بھائی

اُن کے بعد میرے والد مولوی سراج الدین آج تک اُسی شہر میں بیٹھے ہیں۔ اُنہوں نے ساری عمر عبادت اور شریعت کی اطاعت میں گزرانی۔ جس طرح غلام محمد نے دادا کی عزت کی بالکل اُسی طرح والد صاحب کو بھی اُن کی اولاد کی طرف سے استاد کی سی بڑی عزت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس شہر کا رئیس غلام محمد کا پوتا اور جانشین عبد اللہ خان افغان ہے۔ اگرچہ وہ عروج نہیں رہا تاہم وہ میرے باپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔

والد بڑی عمر کے ہو گئے ہیں، مگر اوقاتِ عبادت میں ہرگز فرق نہیں آیا۔ برابر وظیفہ خوانی و شب بیداری جاری ہے۔ ہاں، حواس میں کچھ خلل آ گیا ہے۔ تاہم مَیں نے خداوند کا پیغام اور اُس کی نجات کی خوش خبری بذریعہ خط اُن کے پاس بھیج دی ہے۔ اگر چاہیں تو تسلیم کریں ورنہ اختیار ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے بہت سے بزرگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں نبیوں کا مطلب اور شریعتِ الٰہی کا بھید سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ چونکہ اُنہوں نے انجیل و توریت نہیں پڑھی بلکہ ہمیشہ سنتے رہے کہ اِن صحیفوں میں رد و بدل ہوا ہے اِس لئے وہ حقیقت معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔

ہم چار سگے بھائی تھے۔ چھوٹا بھائی معین الدین 1865ء میں مر گیا۔ سب سے بڑے بھائی مولوی کریم الدین ہیں جو کہ اِس زمانے میں بہت بڑے مصنف اور فخرِ خاندان ہیں۔ مدارسِ حلقہ

لاہور کے ڈپٹی انسپکٹر ہیں۔ اُن کی تصنیف سے بہت سی کتابیں عربی، فارسی اور اردو زبان میں مروج ہو چکی ہیں۔ مذہب اُن کا اسلام ہے مگر کچھ کچھ تحقیقات بھی کر رہے ہیں۔

اُن سے چھوٹے بھائی منشی خیر الدین ہیں جوکہ پہلے لُدھیانہ اور ہوشیار پور کے مدارس کے وِزِٹر تھے۔ اب باپ کی خدمت میں بمقام پانی پت رہتے ہیں۔ وہ بھی سمجھ دار اور بے تعصب آدمی ہیں۔ اگر موت کی فکر کرکے آخرت کا انتظام کریں تو راہِ راست پا سکتے ہیں، لیکن افسوس کہ اُن کے پاس کوئی دین دار مغالطے میں سے نکالنے والا نہیں ہے۔

اکبر آباد گورنمنٹ کالج میں تعلیم

اُن سے چھوٹا مَیں ہوں۔ نام میرا عماد الدین ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں خویش و اقارب کو چھوڑ کر علم حاصل کرنے کے لئے

اکبر آباد[a] میں گیا تھا۔ وہاں میرے بھائی مولوی کریم الدین گورنمنٹ کالج میں اردو کے مدرّسِ اول تھے۔ اُن کی خدمت میں بہت دنوں تک رہ کر تعلیم پائی۔ علم پڑھنے سے میری غرض صرف یہی تھی کہ کسی طرح اپنے خداوند کو پاؤں، کیونکہ وعظوں سے سنا تھا کہ بغیر علم کے خدا کی شناخت حاصل نہیں ہو سکتی۔

پہلا شک اور دوسروں کی لعن طعن

اُن ایامِ طالب علمی میں بھی جب فرصت ملتی تو فقرا و صلحا و علما کی خدمت میں جا کر دین کا فائدہ حاصل کیا کرتا تھا۔ مسجدوں، خانقاہوں اور مولویوں کے گھروں پر بھی جا جا کر فِقہ تفسیر، حدیث، ادبِ منطق اور فلسفہ وغیرہ سیکھا کرتا گو مَیں نے ابھی علومِ دینیہ کچھ حاصل نہیں کئے تھے۔ اُن ایام میں حضرت عیسیٰ کے کئی عیسائیوں کی صحبت کے سبب مجھے اپنے دین

[a] اکبر آباد آگرہ کا پرانا نام تھا

پر شک پڑ گیا۔ لیکن مجھے مولویوں اور دیگر مسلمانوں نے لعن طعن کرکے ایسا گھبرا دیا کہ مَیں جلدی اُس خیال سے کنارہ کش ہو گیا۔

مولوی صفدر علی کی ہدایت

میرے دوست مولوی صفدر علی ڈپٹی انسپکٹر مدارس جبلپور اُن ایام میں کالج کے اندر تھے۔ وہ بڑے کٹر مسلمان تھے جن کی ایمان داری، راست بازی، نیک کرداری اور لیاقتِ علمی کا مَیں گواہ ہوں۔ اُنہوں نے میرے دل کے شکوک معلوم کرکے بڑا افسوس کیا اور مجھے کہا کہ دیکھ تُو گم راہ ہو گیا ہے۔ ابھی تُو نے دین کی کتابیں نہیں پڑھیں۔ عیسائیوں نے تجھے گم راہ کر دیا ہے۔ یہ خیال دل سے دُور کر اور دین کی کتابیں غور سے پڑھ کر دیکھو کہ کون حق پر ہے۔

یہ مولوی صفدر علی مجھے اپنے ساتھ مولوی عبد الحلیم کے پاس لے گئے۔ عبد الحلیم نواب باندی کے ملازمین میں سے ایک تھے۔ وہ دین کے بڑے فاضل اور واعظ تھے۔ اُس وقت مَیں کتاب حمد اللّٰہ پڑھتا تھا۔ مَیں نے اپنے اعتراضات اُن کے سامنے پیش کئے۔ اگرچہ وہ میرے اعتراضوں کے جواب تو نہ دے سکے تو بھی اُنہوں نے قرآنِ مجید کی کئی ایک آیات پڑھ کر مجھے سنائیں اور خفگی بھی بہت سی ظاہر کی۔ اِس لئے ہم دونوں اداس ہو کر اُن کے پاس سے اُٹھ آئے اور اُس دن سے اِس کا خیال چھوڑ کر صرف علم حاصل کرنے میں کوشش کرنی شروع کر دی۔ سب خیالات چھوڑ کر رات دن پڑھنا شروع کیا۔ اِسی طرح آٹھ دس برس گزر گئے۔ چونکہ مَیں ہر علم کو خداوند کے پہچاننے کا وسیلہ جان کر پڑھتا تھا اِس لئے

جس قدر وقت اِس کام میں خرچ ہوتا مَیں اِس کو عبادتِ الٰہی سمجھتا تھا۔

اہلِ تصوف کی نئی راہ

جب اپنے دین کے علوم سے ضروری واقفیت ہوگئی اور مَیں اسلامیات سے بھرپور ہوگیا تو مَیں نے ڈاکٹر وزیر خان کے وسیلے سے ایک نیا راستہ اختیار کر لیا۔ وزیر خان سب اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوکر اکبر آباد میں آئے تھے۔ وہ بڑے کٹر مسلمان تھے۔ ساتھ ساتھ وہ تصوف کے پیروکار بھی تھے۔ بے شک اہلِ تصوف میں کچھ باتیں روحانی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کچھ روحانی اور طالبِ حق عالموں کی روحانی خواہش عام تعلیم سے پوری نہ ہوئی اور اُن کی روحِ مضطرب کو اطمینان حاصل نہ ہوا۔ تب اُنہوں نے اِس قسم کی روحانی تعلیمات ہر جگہ سے جمع کرکے اپنی روح کو تسلی دی۔ اگر اُن کو انجیل و توریت

اُس وقت پڑھنے کوملتی تو وہ انبیائے سابقین کے احوال سے واقف ہوکر سچی معرفتِ الٰہی حاصل کرتے۔

مَیں بھی اِس علمِ باطنی میں پھنس گیا۔ کم بولنا، کم کھانا، لوگوں سے الگ رہنا، جسم کو دُکھ دینا اور راتوں کو جاگنا اختیار کر لیا۔ تمام تمام رات قرآنِ مجید پڑھنے لگا۔ قصیدۂ غوثیہ کا عمل جاری کر دیا۔ چہل کاف اور حزب البحر پڑھا کرتا۔ مراقبہ مجاہدہ کیا کرتا۔ ذکرِ جہری و خفی جاری کر دیا۔ آنکھیں بند کرکے خلوت میں بیٹھ کر خیال میں لفظ اللہ دل پر لکھنے لگا۔ بزرگوں کی قبروں پر بیٹھ کر مراقبہ کیا کرتا تاکہ کشفِ قبور مل جائے۔ وجد کی مجلسوں میں بڑے اعتقاد سے صوفیوں کا منہ تکتا ہوا بیٹھا کرتا تاکہ اُن سے فیض پائے۔ مستوں مجذوبوں کے پاس خدا سے ملانے کی التجا لے کر جایا کرتا۔ سوائے نمازِ پنجگانہ کے تہجدِ اشراق اور چاشت بھی پڑھا کرتا۔ درود و کلمہ بہت پڑھا کرتا۔ غرضیکہ جو

جو مصیبتیں اور دُکھ انسان کی طاقت کے ہیں سب اُٹھائے اور انتہا درجے تک اِن مشقّتوں کو پہنچا دیا۔ مگر ہرگز تسلی نہ پائی۔

اکبر آباد کی مسجد میں واعظ

اِسی عرصے میں جب یہ سب کچھ کر رہا تھا تو ڈاکٹر وزیر خان، مولوی محمد مظہر اور دیگر بزرگوں نے مجھے اکبر آباد کی بادشاہی جامع مسجد میں قرآن و حدیث کا وعظ کرنے کے لئے مقرر کر دیا تاکہ پادری فنڈر صاحب کا مقابلہ کروں۔ تین سال تک وعظ کرتا رہا۔ تفسیریں اور احادیث وغیرہ سناتا رہا۔

شفاعت کی تلاش

مگر سورۂ مریم 71 ہمیشہ میرے دل میں کانٹا سا چُبھا کرتی تھی، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر بشر ضرور ایک دفعہ دوزخ میں جائے گا۔ یعنی خدا کے اوپر فرض ہے کہ سب کو ایک دفعہ تو

دوزخ میں ضرور لے جائے اور بعد اِس کے جس کو چاہے بخشے۔ یہ آیت علما کو بڑے اُلجھن میں ڈال دیتی ہے، اور وہ طرح طرح اِس کا حل نکالتے ہیں۔

علاوہ از ایں شفاعت کے بارے میں قرآنِ مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے کسی طرح کی اُمید دل میں رکھ سکیں۔ مَیں جب اِس معاملے پر غور کرتا تو بڑا حیران رہتا تھا۔ ہاں، علامہ جلال الدین سیوطی نے ایک رسالہ اِس مضمون پر لکھ کر اِس دعویٰ کا ثبوت احادیث سے دیا ہے کہ پیغمبرِ اسلام شفاعت کرا دیں گے۔ یہ رسالہ پڑھ کر مَیں اپنے دل کو کچھ تسلی دیتا تھا۔ البتہ اُس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ مذکور احادیث غیرمعتبر ہیں۔

ایسی فکروں کے جواب میں مَیں حد سے زیادہ عبادت کرکے دل کو تسلی دیا کرتا تھا۔ خلوت میں جا کے رو رو کر اپنی

مغفرت کی دعا کیا کرتا۔ شاہ ابو العُلیٰ کی قبر پر چھپ چھپ کر آدھی رات وہاں گزاری۔ بو علی قلندر کے مزار پر اور نظام الدین اولیا کی درگاہ میں اور اکثر بزرگوں کے مقابر پر بڑے شوق سے التجا لے کر جایا کرتا۔ مسافر فقیروں اور شہر کے اہلِ تصوف کی وساطت سے خدا سے ملانے کی درخواست کیا کرتا۔

قرولی میں تارک الدنیا

اُسی وقت یہ خیال دل پر سوار ہوا کہ دنیا کو ترک کروں۔ مَیں سب کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل کو نکل گیا۔ ہاں، مَیں نے گیرو کے رنگے ہوئے کپڑے پہن لئے اور فقیر بن کر شہر شہر گاؤں گاؤں اِدھر اُدھر بے سر و سامان تقریباً دو ہزار کوس پیدل پھرا۔ بے شک میری نیت پورے طور پر خلوص نہیں تھی، لیکن مَیں صرف خدا ہی کا طالب تھا۔ اِسی حالت میں مَیں قرولی شہر پہنچ گیا۔ وہاں ایک پہاڑ ہے جس کے اندر ایک ندی بنام

چولیدار[b] بہتی ہے۔ مَیں وہاں حزب البحر کا عمل پورا کرنے کو بیٹھ گیا۔

اُس وقت میرے پاس ایک کتاب تھی جو میرے پیر کی طرف سے ملی تھی۔ اُس میں تصوف کی تعلیمات اور وِرد و وظائف کے طور طریقے لکھے ہیں۔ مَیں اُس کتاب کو سب سے زیادہ پیارا جانتا تھا یہاں تک کہ سفر میں رات کو ساتھ لے کر سوتا تھا۔ جب میری طبیعت گھبراتی تو اُس کتاب کو چھاتی سے لگا کر دل کو آرام دیتا۔ مَیں نے کبھی کسی کو وہ کتاب نہ دکھائی، کیونکہ پیر صاحب نے منع کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اِس کا بھید کسی سے نہ کہنا۔ کُل سعادتِ ابدی اِس میں ہے (ابھی تک وہ کتاب میرے گھر میں بے کار پڑی ہے)۔ پس مَیں اُس

[b]یہ نام متروک لگتا ہے۔ یقیناً آج کا اُٹنگن ندی ہے۔

کتاب کو لے کر ندی پر بیٹھ گیا اور حزب البحر کا عمل پورا کرنے لگا۔

دعا کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ بے سِلا کپڑا پہن کر بارہ دن تک با وضو ایک زانو ایک نشست پر بہتی ندی کے کنارے بیٹھ کر بلند آواز کے ساتھ تیس بار روزانہ پڑھے، دنیا کی کوئی چیز نہ کھائے، نمک کا کھانا بھی نہ کھائے بلکہ صرف حلال کی کمائی کا جَو کا آٹا لا کر اپنے ہاتھ سے روٹی پکائے۔ لکڑی بھی خود جنگل سے لائے، جوتا بھی نہ پہنے، ننگے پاؤں رہے۔ اِس کے ساتھ روزہ بھی رکھے، دن سے پہلے دریا میں غسل بھی کرے۔ کسی آدمی کو نہ چھوئے بلکہ وقتِ معینہ کے سوا کسی سے بات بھی نہ کرے۔

مقصد یہ تھا کہ خدا سے وصل ہو جائے۔ اِسی لالچ میں بندے نے یہ دُکھ اُٹھایا۔ اِس کے علاوہ سوا لاکھ دفعہ لفظ اللّٰہ بھی اُسی

حال میں کاغذ پر لکھا۔ روزانہ ایک جزو کاغذ لکھ ڈالتا تھا بلکہ قینچی سے ہر لفظ علیٰحدہ علیٰحدہ کتر کے آٹے کی گولیوں میں لپیٹ کر دریا کی مچھلیوں کو کھلاتا تھا۔ یہ عمل بھی اُسی کتاب میں لکھا تھا۔ دن بھر یہ کام کرتا۔ رات کو آدھی رات سوتا، آدھی رات بیٹھ کر لفظ اللّٰہ خیال کے اندر دل پر لکھ کر خیال کی آنکھ سے دیکھا کرتا۔ اِس مشقّت کے بعد جب وہاں سے اُٹھا تو میرے بدن میں طاقت نہ رہی۔ رنگ زرد ہو گیا۔ مَیں ہَوا کے صدمے سے اپنے آپ کو تھام نہیں سکتا تھا۔

شہر کے مُرید

تاج محمد خزانچی اور فضل رسول خان راجہ قرولی کے مصاحب نے میری بہت خدمت کی اور میرے ہاتھ پر مُرید ہوئے۔ شہر کے اندر بہت سے لوگ بھی آ کر مُرید ہوئے۔ روپیہ پیسہ بھی مجھے بہت دیا اور نہایت تعظیم کرنے لگے۔ مَیں جب

تک وہاں رہا ہمیشہ گلیوں اور گھروں اور مسجدوں میں قرآنِ مجید کا وعظ سناتا رہا۔ نتیجے میں بہت لوگوں نے گناہ سے توبہ کی۔ مجھے اولیا اللہ میں سے خیال کیا جاتا تھا۔ اکثر لوگ آ کر قدموں کو ہاتھ لگاتے تھے۔

تمام مذاہب سے تنگی

لیکن میری روح نے آرام نہ پایا بلکہ دن بہ دن خود بہ خود تجربہ کاری کے سبب شریعت سے متنفر ہونے لگی۔ ایک دن مَیں وہاں سے دو سو کوس کا سفر کر کے وطن میں آیا۔ یہاں آ کر وِرد و وظائف سے طبیعت کھٹی ہوگئی۔ اُن آٹھ دس سال کے دوران کئی قسم کے بزرگ، مشائخ، مولوی، فقرا اور صلحا ملے تھے۔ اُن کا چال چلن، اُن کے دل کے تصورات، اُن کا تعصب، اُن کی فریب بازیاں اور جہالتیں دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا تھا کہ کوئی بھی مذہب جہان میں حق نہیں ہے۔

پہلے مَیں سمجھتا تھا کہ اسلام سارے جہان کے دینوں سے اچھا ہے، کیونکہ دینِ عیسائی کو تو مولوی رحمت اللہ، آلِ حسن اور وزیر خان وغیرہ نے اپنے خیال میں باطل ثابت کر دیا ہے اور وہ بڑا مباحثہ جو پادری فنڈر صاحب سے علما نے آگرہ میں کیا تھا مَیں بھی اُس میں موجود تھا۔ مَیں کتابِ استفسار و ازالتہ الاوہام اور اعجازِ عیسوی جو مسلمانوں نے دینِ عیسائی کے رد میں لکھی ہیں بہ نظرِ سرسری پڑھ چکا تھا۔ اِس لئے دینِ عیسائی کو باطل سمجھتا تھا بلکہ ہمیشہ اپنے وعظ میں اپنے شاگردوں کو اُس دین کے نقصان دکھایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ جب مَیں اکبر آباد کی جامع مسجد میں وعظ کر رہا تھا تو دو بڑے عیسائی افسر مولوی کریم الدین صاحب کے ساتھ وعظ سننے کو مسجد میں آئے اُس وقت مَیں دینِ عیسائی کی مذمت سنا رہا تھا۔ اور ایسا تعصب میرے اندر تھا کہ مَیں نے

اُن حاکموں کے سامنے بھی اپنے آپ کو نہ روکا۔ غرض دینِ عیسائی کا مَیں بڑا مخالف تھا۔

لیکن میرے کڑوے تجربے کے باعث اب دل میں آ گیا کہ سب مذہب واہیات ہیں۔ جسم کو آرام دینا چاہیئے، سب کے ساتھ بھلائی کرنا اور صرف خدا کو اپنے دل میں ایک جاننا بہتر ہے۔ اِن ہی بے ہودہ خیالات میں مَیں چھ برس تک مبتلا رہا۔ میری عقل نے چند اصول اِن گزشتہ تجربات سے اخذ کرکے میری روح کے سامنے یوں پیش کر دیئے تھے کہ اُن ہی پر بھروسہ کرکے چند سال کا عرصہ پورا کر دیا۔

لاہور میں نوکری اور حالِ زار

کچھ دیر کے بعد مَیں لاہور آیا۔ جب لوگوں نے میرا حال شریعت کے خلاف پایا تو وہ مجھ پر الزام لگانے لگے حالانکہ ابھی تک مَیں اسلام کو حق جانتا تھا اگرچہ اُس کی شریعت کا

پابند نہ تھا۔ لیکن کبھی کبھی جب مجھے اپنی موت اور خداوند کی عدالت کا دن اور اِس جہان کو چھوڑ جانے کا وقت یاد آتا تو میری روح اپنے آپ کو نہایت خوف وخطر کے مکان میں اکیلا، بے بس، لاچار اور عاجز کھڑا ہوا پاتی تھی۔ اِسی واسطے ایک ایسا اضطراب میرے دل میں پیدا ہوتا تھا کہ اکثر میرے چہرے پر زردی رہا کرتی تھی اور مَیں بے قرار ہو کر بعض اوقات خلوت میں جا کر خوب رویا کرتا تھا۔ بعض اوقت مَیں ڈاکٹروں سے کہا کرتا کہ مجھے کوئی ایسا مرض ہے کہ میرا دل بے قرار ہوکر مجھے بے اختیار کر دیتا ہے۔ شاید کبھی مَیں اپنے آپ کو نہ مار ڈالوں۔ مَیں بہت گھبراتا ہوں۔ جب مَیں رو لیتا ہوں تب مجھے آرام آتا ہے۔ ڈاکٹر مجھے کچھ کچھ دوائیں پلایا کھلایا کرتے تھے، پر آرام نہ ہوتا تھا اور غصہ مجھ میں بہت تھا۔

لاہور میں آ کر مَیں مسٹر مَیکِن تاش صاحب ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول لاہور کی خدمت میں رہنے لگا۔ مَیکِن تاش صاحب دین دار فاضل ہیں۔

صفدر علی سے مباحثہ کرنے کا ارادہ

ایک دن جبل پور سے خبر آئی کہ مولوی صفدر علی صاحب حضرت عیسیٰ کے پیروکار ہو گئے ہیں۔ مَیں نے بڑا تعجب کیا۔ چند روز تک تو مولوی صفدر علی صاحب کو بُرا کہتا پھرا۔ میرے دل میں اُن کے بارے میں طرح طرح کے بد خیالات آتے رہے، لیکن بار بار یہ خیال بھی آتا تھا کہ مولوی صفدر علی جو سچا راست باز تھا اُس نے یہ کیا کام کیا کہ اپنے مذہب کو چھوڑ دیا؟ ایسا کیوں نادان ہو گیا؟ پھر مَیں نے ارادہ کیا کہ مولوی صفدر علی سے خطوط کے ذریعے مباحثہ شروع کرنا چاہئے۔ مگر مَیں بڑی ایمان داری سے بے تعصب ہو کر یہ کام کروں گا۔

اِسی نیت سے مَیں نے انجیل و توریت منگوائی اور اعجازِ عیسوی و استفسار و ازالتہ الاوہام وغیرہ جمع کیں۔ مَیکِن تاش صاحب سے مَیں نے کہا کہ آپ براہِ مہربانی مجھے انجیل کو سمجھا کر پڑھائیں تو مَیں خوب تحقیقات کروں گا۔ اُنہوں نے بڑی خوشی سے پڑھانا شروع کر دیا۔

انجیلِ شریف پڑھنے سے تبدیلی

متی کی انجیل کے ساتویں باب تک پڑھ کر مجھے اپنے مذہب پر شک پڑ گیا۔ پھر تو ایسی بے قراری پیدا ہوئی کہ سارا سارا دن اور اکثر تمام تمام رات کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ پادریوں اور مسلمانوں سے زبانی بھی باتیں کرنے لگا۔ ایک سال کے اندر رات دن کی محنت سے تحقیقات کر کے دریافت کر لیا کہ صرف دینِ عیسائی سے نجات ہے۔

دینی بھائیوں کا ردِ عمل

جب مَیں نے یہ معلوم کر لیا تب مسلم عالموں سے جو میرے دوست اور لواحق ہیں سب حال بیان کیا۔ بعض خفا ہوئے اور بعضوں نے سب میرے دلائل تنہائی میں بیٹھ کر سنے۔ مَیں نے اُن سے کہا یا تو اِن دلائل کے جوابِ شافی دو، ورنہ تم بھی میرے ساتھ عیسائی ہو جاؤ۔ اُنہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم آپ کی بات مانتے ہیں، لیکن کیا کریں۔ دنیاوی خوف اور جاہلوں کی لعن طعن سے ہم کو ڈر معلوم ہوتا ہے۔ دل میں تو ہم ضرور المسیح کو سچا جانتے ہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ وہی ہماری شفاعت کر سکتے ہیں۔ مگر ہم اپنی دنیاوی عزت کھونا نہیں چاہتے۔ تم بھی اپنا اعتقاد ظاہر نہ کرو۔ ظاہر میں مسلمان کہلاؤ، دل میں المسیح پر اعتقاد رکھو۔ بعضوں نے کہا کہ مسیح کا مذہب تو درست اور عقل کے موافق ہے، مگر تثلیث اور ابن اللہ ہماری

سمجھ میں نہیں آتا۔ اِس لئے ہم اُسے اختیار نہیں کرتے۔ بعضوں نے کہا کہ ہم کو عیسائیوں کی کچھ جسمانی رسمیں پسند نہیں آتیں، اِس لئے ہم عیسائی نہیں ہوتے۔

تب مَیں نے اُن سب کو خدا کے سپرد کیا اور اُن کے حق میں سوائے دعا کے اور کچھ چارہ نہ جانا۔ مَیں نے امرتسر جا کر رابرٹ کلارک صاحب کے ہاتھ سے بپتسمہ لے لیا۔ وجہ یہ تھی کہ کلارک صاحب نے سب سے پہلے مجھے خط بھیج کر خداوند کا پیغام پہنچایا۔ اُن کی دین داری اور سرگرمی سے بھی مَیں بہت خوش ہوا۔ حال میں مَیں لاہور میں رہتا ہوں۔

روح کا آرام

جب سے مَیں عیسیٰ المسیح کے فضل میں داخل ہوا ہوں میری روح کو بہت آرام ہے۔ وہ اضطراب اور بے قراری بالکل جاتی رہی۔ وہ چہرے کی زردی بھی زائل ہوگئی۔ اب کسی

وقت بھی میرا دل نہیں گھبراتا۔ کلامِ الٰہی کے پڑھنے سے زندگی کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ موت اور گور کے خوف کے مرض سے بہت تخفیف ہے۔ اپنے خداوند میں بہت ہی خوش ہوں۔ اُس کے فضل میں روح ہر وقت ترقی کرتی ہے۔ خداوند دل کو آرام دیتا ہے۔ دوست آشنا، شاگرد، میر، رشتے دار وغیرہ سب دشمن ہو گئے ہیں۔ ہر کوئی ہر وقت ہر طرح سے دُکھ دینا چاہتا ہے۔ مگر مَیں خداوند سے تسلی پا کر کچھ پروا نہیں کرتا۔ کیونکہ جس قدر بے عزتی اور دُکھ خداوند کے لئے ملتا ہے اُسی قدر روح کو آرام، تسلی اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

رشتے داروں میں سے صرف بھائی مولوی کریم الدین صاحب، بھائی منشی خیر الدین صاحب، برادر محمد حسین کیرانی والا اور والد صاحب خط وکتابت اور محبت رکھتے ہیں۔ اُن کے سوا سب خاندان اور سب دوست وغیرہ برگشتہ ہو گئے۔ اِس لئے سبھوں

کے لئے دعا کرتا ہوں کہ خداوند اُن پر فضل کر کے اُن کے دل کی آنکھیں کھول دے تاکہ وہ بھی ہمارے خداوند کی نجاتِ ابدی میں شامل ہوں۔ ہمارے خداوند عیسیٰ المسیح کے فضل سے۔ آمین۔

ضمیمہ: سات سال کے بعد پانچ تجربے

اب سات سال گزر چکے ہیں۔ مزید کچھ تجربات حاصل ہوئے ہیں۔

اول، جب سے مَیں ایمان لایا کبھی میرا دل اِس دین کی طرف سے سُست نہیں ہوا بلکہ وہ خوشی جو بپتسمے کے وقت حاصل ہوئی تھی روز بہ روز زیادہ ہوتی گئی۔ اُس وقت سے مَیں رات دن اِس کے اصول و فروعات پر بے تعصب غور کرتا آیا ہوں۔ اگر یہ دین خدا کی طرف سے نہ ہوتا اور مَیں فریب کھا کر اِس میں آجاتا تو اِس سات برس کے عرصے میں ضرور کہیں نہ کہیں

کوئی ایسی بات نکلتی جس سے میرے دل میں سُستی آجاتی۔ لیکن یہاں توشکر گزاری اور تسلی بڑھتی گئی اور اُس کی قیمت روز بہ روز میری نظروں میں زیادہ ہوئی۔

دوسرا تجربہ یہ ہے کہ وہ خوشی جو مَیں نے مسیح میں ہو کر حاصل کی ہے اور اُس خوشی کی کیفیت جو روح پر طاری ہوئی ہے اُسے کوئی چیز دفع کرنے والی مَیں نے نہیں پائی۔ اِس عرصے میں دنیا کے لوگوں نے تقریر سے، تحریر سے، اشارے سے، بے عزتی سے طرح طرح کے دُکھ میرے دل کو پہنچائے اور قسم قسم کے اعتراضات بھی پیدا کر کے مجھے سنائے بلکہ دہریوں وغیرہ کی باتیں بھی گوش گزار کیں۔ جسمانی اور روحانی مصیبتوں نے بھی بار بار مجھے ہجوم کیا۔ بلکہ اِس جہان کی خوشیوں نے بھی کئی بار مجھے آگھیرا اور چاہا کہ اِس خوشی کو بھول جاؤں۔ لیکن کوئی بھی چیز اُس خوشی کو جو مَیں نے مسیح

سے پائی ہے ذرا بھی جنبش نہ دے سکی، حالانکہ مَیں نے جنبش دینے والی چیزوں کو کبھی خود رد کر کے نہیں نکالا بلکہ دل میں آنے دیا تاکہ اپنی خوشی کو اُس پر پرکھوں۔ اِس کے باوجود یہ خوشی ایسی مضبوط ہے کہ کوئی چیز اُسے جنبش نہیں دے سکتی۔ یہ بات بھی نہیں ہے کہ مَیں نے اِس خوشی کو خود پکڑ کر دل میں پالا ہو۔ نہیں بلکہ ایسی خوشی نے مجھے خود پکڑا ہے کہ مَیں اُس کے پاس سے کہیں نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اِس سے زیادہ کہیں خوشی ملے تو اُس کو چھوڑوں۔ پر جب اُس کی جدائی عین حقیقی موت نظر آتی ہے تو اُس کے پاس سے کہاں جاؤں؟ اِس لئے اُس نے مجھے پکڑا ہے، نہ مَیں نے اُس کو۔ کیا ہی خوب ہے پطرس کا وہ قول،

> خداوند، ہم کس کے پاس جائیں؟ ابدی زندگی کی باتیں تو آپ ہی کے پاس ہیں۔ (یوحنا 68:6)

تیسرا تجربہ یہ ہوا کہ جس قدر مسیح کی شناخت بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر اپنی شناخت بھی بڑھتی ہے۔ اُس کی پاکیزگی، بلندی، قوت اور تدبیر جس قدر کھلتی ہے اُسی قدر اپنی ناپاکی، عاجزی، پستی اور حماقت ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا اُسے نہیں جانتی، اِس لئے غرور میں ہے۔

چوتھا تجربہ مسیح کی شناختِ مؤثر ہے۔ جس قدر شناخت بڑھتی ہے اُسی قدر اپنی حالت تبدیل پائی جاتی ہے۔

پانچواں تجربہ: جس قدر اُس کے ساتھ خلوص اور یگانگت میں اضافہ ہوتا ہے اُسی قدر دنیاوی آفات کا ہجوم اور اُسی قدر تسلی کی کثرت ہوتی جاتی ہے۔ اِن سب باتوں سے ہماری اُمید خوف اور آرزو کے درمیان لٹکی نہیں رہتی بلکہ پختہ رہتی ہے۔

اب ناظرین کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ ضرور خدا یہاں ہے۔ اُس نے قبولیت کا ہاتھ پھیلا رکھا ہے۔ اُس کے پاس آؤ۔ اِس کی ایک ہی راہ ہے یعنی دل کی شکستگی اور خستگی کے ساتھ آؤ۔ تب یہ لطف پا سکتے ہیں۔ اِس صورت میں ابدی زندگی ملے گی ورنہ ہلاکت ہے۔